الحقّ سے تعلق جوڑ لیں گے تو زَھَقَ الۡبَاطِلُ کی پیشگوئی پوری ہوگی۔انبیاءؑ کی کامیابی کا راز الحق سے تعلق میں ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23 / جون 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۲﴾

(بنی اسرائیل:82)

پھر فرمایا:۔

آج کے مضمون سے پہلے میں دو ممالک کے جلسہ سالانہ سے متعلق اعلان کر چکا ہوں۔ اول جماعت احمدیہ USA کی طرف سے اطلاع ملی تھی کہ ان کا جلسہ سالانہ 23 / جون بروز جمعۃ المبارک یعنی آج شروع ہو رہا ہے۔ تین دن تک جاری رہے گا۔ دوسرا جماعت احمدیہ انڈونیشیا کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ ان کا جلسہ سالانہ بھی 23 / جون سے شروع ہو کر تین دن تک جاری رہے گا ان دونوں ممالک کے جلسہ سالانہ میں شریک تمام حاضرین کو خواہ وہ جماعت سے تعلق رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں ان کو میں آپ سب کی طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتا ہوں اور اس مبارک موقع پر ان کو شمولیت کی سعادت پر مبارکباد دیتا ہوں۔

وہ تمام جلسے جو خدا کی خاطر منعقد ہوں اور کوئی غرض نہ ہو ان میں شمولیت بھی ایک بڑی

سعادت ہوا کرتی ہے اور صرف ان کی شمولیت نہیں جو نیکی کی غرض سے آتے ہیں۔ ایسے بابرکت لوگ جو اللہ کے ذکر کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں ان کے ساتھ مسافر بھی اگر آ بیٹھے تو اس کو برکت مل جاتی ہے۔ پس یہ جو مضمون ہے یہ میرے نفس کا بنایا ہوا نہیں۔ حضرت اقدس محمد ﷺ کی طرف سے خوشخبری ہے کہ اللہ کے ذکر کے لئے اکٹھے ہونے والوں کے پاس بیٹھنے والے خواہ وہ اس نیت سے نہ بھی بیٹھے ہوں وہ بھی برکتوں سے حصہ پا جاتے ہیں۔ پس اللہ ان سب کے لئے جو ان جلسوں میں شمولیت فرما رہے ہیں۔ یہ شمولیت دین و دنیا ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے۔

جہاں تک ان کے نام پیغام کا تعلق ہے وہ پیغام میں اس خطبے کے مضمون ہی میں دوں گا جو پچھلے خطبات کی ایک کڑی ہے اور یہ سلسلہ جو چل رہا ہے یہ صفات باری تعالیٰ یا اسماء الٰہی کا سلسلہ ہے۔ آج میں گزشتہ جمعہ کے مضمون ہی کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ یعنی حق ذات سے متعلق میں مزید کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ الحق خدا کا نام ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا سورہ فاتحہ کی تمام صفات سے یہ نام تعلق رکھتا ہے اور ان سب کے ملنے کے اجتماعی اثر سے کامل حق کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔ وہ ذات جو ان تمام صفات حسنہ سے مزین ہو جو حمد سے شروع ہو کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک بیان ہوئی ہیں۔ ان کا لازمی اور قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ذات حق ہے حق کے سوا ہو ہی نہیں سکتی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے یہ تو سمجھ آئی مگر ہمیں کیسے فائدہ پہنچے گا اور ہم حق سے تعلق جوڑ کر کیا کچھ حاصل کر سکتے ہیں اور کیا ذمہ داریاں ہیں ہم پر جو ہمیں ادا کرنی ہوں گی۔ جس کے نتیجے میں ہم حق کا فیض پا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں دو حصوں میں مَیں نے اپنے مضمون کو تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ جہاں حق کا تعلق غیروں سے ہوتا ہے یعنی ان معنوں میں کہ وہ لوگ جو حق کے بندے بن جاتے ہیں۔ ان کو غیروں کے مقابل پر کیا کیا فتوحات نصیب ہوتی ہیں۔ اس کا ایک تعلق ہے جس کو ہم دعوت الی اللہ کہتے ہیں۔ اس مضمون سے تعلق ہے اور دوسرا تربیت سے تعلق ہے کہ حق ذات سے تعلق جوڑا جائے تو انسان کے اندر کیا کیا پاک تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور ہونی چاہئیں اور ان کے نتیجے میں اس کے اندر ایک اندرونی انقلاب کیا برپا ہوتا ہے۔

تو پہلے میں دعوت الی اللہ کے ذکر کو لیتا ہوں اور چونکہ یہ دونوں ممالک جن کے جلسوں کا آج اعلان ہوا ہے دعوت الی اللہ کے لحاظ سے ابھی بہت حد تک پیچھے ہیں اور اہمیت کے لحاظ سے بہت ہی اہم ممالک ہیں، دنیا کی تقدیر پر اثر انداز ہونے والے ممالک ہیں امریکہ کا تعلق تو آج کل

سب دنیا سے ہے اور دنیا میں ایک ہی سپر پاور بن کر ابھرا ہے لیکن انڈونیشیا کا تعلق مشرق بعید کے تمام ممالک میں گہرا ہے اور انڈونیشن قوم اتنی عظیم ہے تعداد کے لحاظ سے بھی اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بھی کہ اگر یہ حقیقی معنوں میں اسلام کے نور سے مزیّن ہو جائے اور احمدی مسلمان دعوت الی اللہ کا کام اچھی طرح شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا فیض صرف انڈونیشیا کے دائرے تک محدود نہیں رہے گا بلکہ تمام مشرق بعید کے ممالک تک پہنچے گا۔ اس لئے یہ دونوں ممالک بہت ہی اہمیت رکھتے ہیں اور دونوں، اب تک کا تجربہ یہی ہے کہ تبلیغی نقطہ نگاہ سے بیدار نہیں ہو سکے۔ بہت پیچھے ہیں کوشش جاری ہے کئی قسم کے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود پھر بھی کچھ کمی رہ جاتی ہے۔ اس سے متعلق تفصیلی ہدایات میں امریکہ کے دورے کے دوران بھی دے چکا ہوں اور مختلف وقتوں میں مَیں جماعت کو خطبات میں دعوت الی اللہ کے مضمون سے آگاہ کرتا رہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اگر ان پر غور کیا جائے ان باتوں پر جو پہلے کہی جا چکی ہیں تو مزید نصائح کے اضافے کی ضرورت نہیں، پہلی باتوں پر ہی عمل کی طرف توجہ چاہئے اور ان باتوں پر جنہوں نے عمل کیا ہے اللہ کے فضل سے بہت بڑے بڑے انقلابات برپا ہوئے ہیں۔

اب آپ دیکھ لیجئے کہ افریقہ میں بھی بعض ممالک نے جب عمل کیا تو ان کی سالانہ بیعتوں کی رفتار ہزاروں سے نکل کر لاکھوں کے دائرے میں داخل ہوگئی۔ اب یہ کوئی معمولی تبدیلی نہیں ہے۔ بعض دوسرے ممالک تھے جو اصرار کر رہے تھے کہ ہمارے حالات مختلف ہیں یہاں ہو ہی نہیں سکتا۔ اور ہزار بارہ سو پہ راضی تھے اور میں نے اپنی ضد نہیں چھوڑی۔ میں نے کہا ناممکن ہے کہ نہ ہو سکے، تم غور کرو، سوچو، میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اس پر عمل کر کے دیکھو اور اب ان میں سے ایک ملک جو یہ کہا کرتا تھا کہ نہیں جی ہمارے تو یہی حالات ہیں۔ ان کی طرف سے کل خوشخبری ملی ہے کہ ایک لاکھ کے قریب پہنچ چکے ہیں اور بھاری امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سال کے اختتام تک وہ بھی ایک سال میں ایک لاکھ مسلمان اور احمدی بنانے والوں میں داخل ہو جائیں گے۔ مسلمان اور احمدی دراصل تو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں مگر مسلمان اور احمدی یہاں اس لئے میں نے کہا ہے کہ اس علاقے میں مشرک بہت ہیں، عیسائی بہت ہیں اور پہلے مسلمان بنانا ہے، اسلام میں داخل کرنا ہے پھر احمدیت کے رنگ چڑھانے ہیں جو حقیقی اسلام ہے تو اس پہلو سے میں نے دو الگ الگ لفظ بولے ہیں ورنہ حقیقت تو

ایک ہی ہے احمدیت حقیقی اسلام ہے اور اسلام حقیقی احمدیت ہے۔

اب میں حق کے حوالے سے اس مضمون کو کچھ اور آگے بڑھاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ تو کہہ دے کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل کا کام ہی بھاگنا ہے۔ اس آیت کریمہ سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حق آجائے تو از خود ہی باطل رفع ہو جایا کرتا ہے اور جو مثال سامنے ابھرتی ہے وہ سورج کی مثال آتی ہے۔ ابھرتے ہوئے سورج کی تصویر دکھائی دیتی ہے کس طرح رات کے دھند لکے سورج کے نکلتے ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ جہاں جہاں سورج کی کرنیں پہنچتی ہیں اندھیروں کو وہ نور میں تبدیل کر دیتا ہے۔ کتنا آسان مضمون ہے اگر یہ ویسا ہی آسان ہوتا اور یہی قرآن کریم کی مراد ہوتی تو ہر نبی کے آنے کے بعد کسی جدو جہد کی ضرورت نہیں تھی۔ نبی حق لاتا اور خود حق ذات سے تعلق جوڑ کر حق بن کر دکھا دیتا ہے اور اچانک تمام ماحول روشن ہو جاتا۔ بغیر کسی جدو جہد کے حق کو غلبہ عطا ہو جاتا۔ یہ اس آیت کا مفہوم نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں بعض پہلوؤں سے وہ مفہوم بھی ہے لیکن کہاں وہ مفہوم ہے اور کہاں مختلف مفہوم ہیں۔ ان پر میں اب گفتگو کروں گا اور سب سے پہلے غیر کے مقابل پر باطل کے مقابل پر حق کیسے اس کو بھگاتا ہے قرآن کریم کے حوالے سے اس پر میں مزید روشنی ڈالتا ہوں کیونکہ دعوت الی اللہ تو دراصل حق کی طرف بلانا ہے اور کیا کیا مشکلات اس راہ میں پیش ہیں کیا اچانک سورج نکل آئے گا روشنی ہو جائے گی یا اس کے لئے محنت کرنا پڑے گی۔

اول بات یہ ہے کہ وہ راتیں جو روحانی طور پر راتیں کہلاتی ہیں۔ جن میں عصیان اور خدا تعالیٰ سے دوری کے نتیجے میں اندھیرے پھیل جاتے ہیں۔ ان راتوں کو صبح کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ ان راتوں کو صبح میں تبدیل کرنے کے لئے راتوں کو اپنے خدا کے تعلق سے نور سے روشن کرنا پڑتا ہے۔ یہ وہ نور نہیں ہے جو از خود ہی اٹھ کر باہر آجائے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ذکر لیلۃ القدر کے حوالے سے یہی معنی رکھتا ہے۔ وہ اندھیری رات جس نے تمام عالم کو یکساں اندھیروں میں جھونک رکھا تھا کہیں کوئی روشنی کا نشان باقی نہیں رہا تھا وہ کیسے تبدیل ہوئی، ایک فانی فی اللہ اپنی راتوں کو جگا گیا اور یہ اس کی راتوں کو جگانے کا سلسلہ تھا جو خدا کے حضور گریہ وزاری کی اور حیرت انگیز طور پر راتوں کو دن بنانے کے لئے وقف کر دیا اور وہ راتوں کا وقف تھا جس نے دن پیدا کیا ہے اور جو سورج

نکلا ہے وہ اس رات کی محنت کے بعد نکلا ہے۔ پس جب نکلا تو پھر وہ مضمون دنیا نے یوں دیکھا کہ جیسے اچانک سورج نکلا اور روشنی ہوگئی اور اس سے پہلے جو محنتیں تھیں اس کی طرف توجہ ہی نہیں گئی۔ جب اسلام غالب آ گیا تو لوگ یہی سمجھتے رہے کہ اب کیا ہے بس اسلام روشن ہوگیا۔ غالب آ گیا۔ آسانی سے سب باتیں حل ہوگئیں لیکن جتنی بڑی جدوجہد تھی جس سے گزرنے کے بعد پھر وہ روشنی کا سورج طلوع ہوا ہے۔ اس کا ذکر قرآن کریم فرماتا ہے اور مختلف صورتوں میں حق کا ذکر کر کے بتاتا ہے کہ حق آنا اور باطل کا بھاگنا ایک ایسا مضمون نہیں کہ ادھر حق نکلا اور ادھر باطل بھاگ گیا اس کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (الکہف:57) ہم رسولوں کو سوائے اس کے کسی غرض سے نہیں بھیجتے کہ انہیں مبشر کے طور پر بھیجیں اور منذر کے طور پر بھیجیں۔ خوشخبریاں بھی دے رہے ہوتے ہیں اور ڈرا بھی رہے ہوتے ہیں۔ خوشخبریاں دن کی دیتے ہیں اور ڈراتے رات سے ہیں لیکن جب وہ یہ کام کرتے ہیں وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ تو یہ نہیں ہوتا کہ اچانک حق کی روشنی سے باطل بھاگ جائے وہ جانے سے پہلے بڑی سخت جدوجہد کرتا ہے پورے زور اور طاقت سے مقابلہ کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ مجادلہ کرتے ہیں اور مجادلے کا آغاز ان کی طرف سے ہوتا ہے وہ کسی صورت اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ہاتھ پاؤں مارتے ہیں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہ کسی طرح اس روشنی کو بھگا دیں اور رات کو دائمی کر دیں۔ چنانچہ فرماتا ہے لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ تا کہ وہ حق کو مٹا ڈالیں بالکل برعکس مضمون ہے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق آتا ہے تو باطل مٹ جاتا ہے لیکن جب حق آتا ہے تو باطل کے مٹنے سے پہلے کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ باطل اپنا پورا زور لگاتا ہے کہ جس طرح بھی بس چلے حق کو مٹا ڈالے وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا اور ہمارے نشانات کو اور جن باتوں سے ان کو ڈرایا جاتا ہے ان کا وہ مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ ان کی تحقیر کرتے ہیں تخفیف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ہر قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں کہ حق مٹ جائے اور باطل باقی رہ جائے۔

تو اب دعوت الی اللہ میں یہ تصور کہ ادھر پیغام دیا ادھر لوگ مان گئے قرآن میں تو اس کا کوئی

ذکر نہیں ملتا بلکہ متنبہ فرمارہا ہے کہ تم ان کو خوشخبریاں دو گے لیکن وہ مقابل پر کوشش کریں گے کہ تو تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹادیں۔ اب احمدیت کے متعلق بالکل یہی مضمون ہے۔ جو صادق آرہا ہے۔ ایک سو سال سے ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہم محض پاک نیتوں کے ساتھ دنیا کی بھلائی کے لئے ان کو اچھا پیغام دے رہے ہیں جانتے ہیں کہ اس میں زندگی ہے، جانتے ہیں کہ اس میں دلوں کی سکینت ہے اور ہر احمدی گواہ ہے کہ احمدیت سے باہر بے اطمینانی اور بے چینی ہے احمدیت کے دائرے میں آکے کایا پلٹ جاتی ہے انسان ایک نئی دنیا میں بسنے لگتا ہے۔ ایسی دنیا جس میں بعض دفعہ باہر کے لوگ بھی جب جھانک کے دیکھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں یہ تو ایک جزیرہ ہے اس کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ مختلف قسم کے لوگ پیدا ہو چکے ہیں اور یہ جزیرے ہر جگہ بن رہے ہیں اور ہر جگہ، ہر ملک میں ان جزیروں کے دائرے بڑھ رہے ہیں مگر کیسے بنتے ہیں، کیا جدوجہد ہوتی ہے؟ اس کی طرف بھی تو دھیان کرو یہ اچانک کوئی ترلقمہ تو نہیں ہے جو منہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باطل زور لگاتا ہے، ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے کہ تمہیں مٹادے۔ چنانچہ جنرل ضیاء الحق جب زندہ تھے۔ تو انہوں نے یہ اعلان کیا تھا تمام دنیا میں اس اعلان کو اخباروں میں شائع کیا گیا۔ یہاں کی ان کی ایمبیسی کے نمائندے نے لندن میں ختم نبوت کانفرنس میں آکر ضیاء الحق کی طرف سے یہ اعلان پڑھ کر سنایا۔ اس اعلان کا خلاصہ یہ تھا کہ میں اور میری حکومت اس بات پر تلے بیٹھے ہیں، ہم فیصلہ کئے ہوئے ہیں، ہم تہیہ کئے ہوئے ہیں کہ احمدیت کے کینسر کی جڑیں اکھیڑ کر پھینکیں گے۔ جہاں جہاں یہ ہوگی تمام دنیا سے اس کی جڑیں اکھیڑ پھینکیں گے تو کہاں گیا وہ جڑیں اکھیڑنے والا، اس کی اپنی جڑیں اکھیڑی گئیں۔ اس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ نے ان متکبروں سے کیا سلوک کیا جو احمدیت کے لئے مخالفت میں وقف ہو چکے تھے اور احمدیت کو دیکھیں کہ جگہ جگہ دنیا کے مختلف ممالک میں وہ جڑیں قائم ہوتی چلی جارہی ہیں۔ تو یہ تو درست ہے کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ جب حق آتا ہے تو باطل بھاگ جاتا ہے مگر نام رکھنے سے کچھ نہیں بنتا۔ باطل بھی یہی دعویٰ لے کر اُٹھتا ہے کہ ہم حق پر ہیں تو بعض دفعہ ضیاء ''الحق'' نہیں ہوتی وہ ضیاء باطل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی مضمون کو کھول کر بیان کیا ہے۔ تم یہ آواز دے کر اٹھے ہو کہ ہم حق ہیں ہم آئے اور تم مٹ جاؤ گے۔ مخالف کہتا ہے کہ ہم حق ہیں اور ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ تمہیں اس صفحۂ ہستی سے

مٹادیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کچھ فیصلے کرتی ہے، کچھ وہ ہیں جو مٹتے چلے جاتے ہیں کچھ وہ ہیں جو نشوونما پاتے چلے جاتے ہیں اور پھیلتے چلے جاتے ہیں اور یہ جو بات ہے یہ حق ذات سے ہوتی ہے اور حق سے تعلق کے نتیجے میں ہوتی ہے اور حق سے تعلق کے کچھ تقاضے ہیں جن کو بہر حال پورا کرنا ہوگا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ جنگ بدر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم چاہتے تھے کہ تمہارا مقابلہ نسبتاً چھوٹے قافلے سے ہو جہاں فائدے زیادہ ہوں اور نقصان کم ہو لیکن اللہ کا اور مقصد تھا کہ ان کی طاقت کے اوپر ضرب لگائی جائے اور طاقتور سے تمہیں بھڑا دیا جائے کیونکہ اللہ اس تدبیر سے باطل کی جڑیں اکھیڑنا چاہتا تھا۔ اب مومنوں نے تو آسانی چاہی تھی وہ تو ایسا ظہورِ حق چاہتے تھے کہ سورج نکلا اور اندھیرے بھاگ گئے اور اس میں حرج کوئی نہیں اگر ایسی خواہش کی جائے مگر کس طرح اللہ مومنوں کو بھڑاتا ہے غیروں سے اور ان کی جڑیں اکھیڑ دیتا ہے پھر۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ تو تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ تم چاہتے تھے کہ تم ان سے ٹکراؤ جن کے پاس ہتھیار نہ ہوں۔ چبھونے کیلئے کانٹے نہ ہوں کم سے کم تکلیف سے تم زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (الانفال: 8) اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعے حق کو محقق کردے اور لوگوں کو سمجھ آئے کہ حق کا غالب آنا ہوتا کیا ہے۔ کس طرح غیر معمولی مخالفانہ طاقتوں پر حق غالب آیا کرتا ہے اور جدوجہد کے نتیجے میں آیا کرتا ہے از خود نہیں آجایا کرتا وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں کی جڑیں کاٹ ڈالے اس مقصد سے اللہ نے تمہیں طاقتوروں سے لڑا دیا۔

اب یہ ہے حق کا مضمون جو سمجھنے کے لائق ہے۔ طاقتور سے اگر کوئی کسی کو لڑا دے تو کمزور کے لئے تو ہلاکت کا پیغام ہے اور اگر طاقتور کسی کمزور سے لڑ پڑے اور اس کو مٹا دے تو اس میں طاقتور کے حق پر ہونے کا کوئی بھی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو خوب سمجھنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ حق کی باتیں کررہا ہے۔ حق ہوتا کیا ہے اور اس کے نشانات کیا ہیں؟ اور اگر ایک طاقتور دشمن اُٹھ کر ایک کمزور سی جماعت کے متعلق فیصلہ کرے کہ ہم اسے مٹادیں گے۔ اگر مٹا بھی دے تو طاقتور کا حق پر ہونا ثابت نہیں ہوسکتا لیکن اگر مٹانے میں ناکام ہوجائے اور اگر جب بھی ٹکر لگے تو کمزور غالب آئے اور پھیلتا چلا جائے اور طاقتور سے مزید طاقتور ہوتا چلا جائے یہ ہے حق کی نشانی، یہ اس بات کی نشانی ہے

کہ اس جماعت کا حق ذات سے تعلق ہے۔

پس اگر حق سے تعلق ہوتو یہ فیصلہ کہ کون جیتے گا؟ یہ ہمیشہ اس بات پر منحصر ہوگا کہ کس کا حق سے تعلق ہے؟ دشمن کے زیادہ یا کم ہونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور جب دشمن اتنا زیادہ ہو کہ کسی کی توفیق نہ ہو کہ خدا کے بنائے ہوئے قوانین کو توڑے بغیر وہ دشمن پر غالب آجائے تو اللہ تعالیٰ خود اپنے قوانین نہیں توڑتا۔ یہ نہیں کہا کرتا یہ حق ہے اس نے غالب آنا ہے، اچانک اس کو سب دنیا سے لڑا دو پھر تدبیر فرماتا ہے۔ اور ایک دوسری آیت میں بعینہٖ یہی مضمون کھول کر بیان فرمایا ہے کہ حق جب آتا ہے تو پھر کیا کچھ ہوتا ہے پھر اللہ مدبرالامر بن کے ظاہر ہوتا ہے وہ تدبیریں اختیار کرتا ہے اور ایک وقت میں اپنے بندوں کو لڑاتا تو طاقتوروں سے ہے مگر اتنے طاقتوروں سے نہیں لڑاتا کہ دنیا کا قانون توڑے بغیر یا خدا کا قانون توڑے بغیر وہ فتح یاب ہو جائے یعنی اتنے طاقتوروں سے نہیں لڑاتا کہ خدا کا قانون توڑے بغیر ہی وہ فتح یاب ہو سکے۔ مراد یہ ہے کہ اگر خدا یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مومنوں میں آج اتنی طاقت ہے کہ ایک دو پر غالب آئے گا اور کل اتنی طاقت ہوگی کہ ایک دس پر غالب آئے گا تو جب تک وہ کل نہیں آیا، جب تک مومن اتنا طاقتور نہ ہو جائے اس وقت تک ایک کو دس سے نہیں بھڑاتا اور ہمیشہ ایسی تدبیریں کرتا ہے کہ دشمن اپنی غالب طاقت کے ساتھ حملہ آور ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کے ارادے بنتے ہیں بکھر جاتے ہیں ان کو اکٹھا ہونے کی توفیق نہیں ملتی اگر وہ کوشش کرتے ہیں اکٹھا ہونے کی تو آپس میں پھر لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ تو یہ تدبیر سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں مگر بندے کی تدبیر نہیں یہ حق کی تدبیر ہے اور جب تدبیر کرتا ہے تو ایک بات ظاہر ہوتی چلی جاتی ہے کہ دن بدن کمزور لڑتا تو طاقتور سے ہے لیکن رفتہ رفتہ طاقتور سے لڑنے کی اس میں صلاحیت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔

اور یہ مضمون آنحضرت ﷺ کے زمانے میں آپؐ کے غلاموں کے عمل سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اولین نسبتاً خدا کے کم پیارے ہوتے ہیں بلکہ یہ ایک اور مضمون ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک کمزور کو ایک طاقتور سے لڑایا جائے تو نفسیاتی لحاظ سے اس میں رفتہ رفتہ خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور ایک دم زیادہ بڑے سے لڑنے کی اس میں صلاحیت نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: 287) اللہ کسی نفس پر

اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا پس سب سے تو زیادہ طاقتور حضرت محمد ﷺ تھے وہ مجسم حق بن گئے۔ اگر آسمان اور زمین پر ایک حق تھا تو اس کا بندوں میں ایک کامل مظہر جس کی کوئی مثال نہیں وہ حضرت اقدس محمد ﷺ تھے تو سب سے زیادہ طاقتور تو آپ کو ہونا چاہئے تھا اور آپ ہی تھے، آپ ہی کا حق تھا جو اردگرد پھیل رہا تھا اور اس حق کا جب غیروں سے مقابلہ ہوا ہے تو اللہ جو اپنے قوانین کے اوپر خود مدبر ہے اس کا یہ فیصلہ تھا کہ میں اس حق کو رفتہ رفتہ کھولوں اور آغاز میں ان کا اتنا مقابلہ کرواؤں کہ میرے اس قانون کے خلاف نہ ہو کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا تو ان کی مادی وسعتوں کی بحث چل رہی تھی، روحانی وسعتوں کی بات نہیں ہو رہی تھی۔ مادی لحاظ سے وہ کمزور تھے روحانی لحاظ سے ایسے طاقتور تھے کہ اس کے بعد کبھی کوئی نسل اس سے زیادہ طاقتور نہیں آئی۔ پس وہ تابعین جن کو بعد میں ایک کے مقابل پر دس ہی نہیں بلکہ بعض دفعہ ان سے بھی زیادہ پر فتوحات نصیب ہوئیں ان کی روحانی فضیلت پر یہ دلالت نہیں کرتا۔ یہ مضمون یہ بتاتا ہے کہ پہلوں نے جو قربانیاں دیں وہ بڑے بڑوں سے بھڑ گئے۔ کمزور ہونے کے باوجود ان کو فتوحات ملیں تو قوم کی نفسیاتی حالت میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی ہے، قوم کی نفسیاتی حالت میں خود اعتمادی پیدا ہوئی ہے ان کو جرأتیں عطا ہوئیں اور ان کی توفیق بڑھی ہے اور جب ایسا ہو تو رعب کا مضمون داخل ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ فرمایا کہ رعب کی نصرت عطا فرمائی گئی یعنی اس مضمون کو ان لفظوں میں نہیں مگر حدیث نے جو مضمون کھولا ہے اس میں دو تین مرتبہ یہی لفظ استعمال فرمایا ہے کہ مجھے رعب کی نصرت عطا کی گئی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ تجھے رعب کی نصرت عطا کی گئی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو الہام ہوا ہے اس میں یہی لفظ ہیں کہ رعب کی نصرت عطا کی گئی۔ یہ جو رعب ہے یہ رفتہ رفتہ بنتا ہے، یہ ہوا ہے جو بن جاتی ہے۔ جب یہ ہو تو پھر طاقتور خود کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ادھر اس کی نفسیاتی الجھن یہ بن جاتی ہے کہ وہ خوف زدہ رہتا ہے دل میں جانتا ہے کہ طاقتور ہے بظاہر کمزور بھی ہو تو اس نے غالب آجانا ہے۔ جب یہ دل میں یقین پیدا ہو جائے کہ یہ کمزور ہوتے ہوئے بھی غالب آجائے گا اس کی صلاحیتوں میں کمزوری آجاتی ہے اس کے برعکس جو کمزور ہو جس کو پتا ہو کہ خدا کا دستور ہمیشہ سے یہی ہے کہ ہمیشہ مجھے کمزور ہوتے ہوئے وہ نصرت عطا فرماتا ہے وہ اور زیادہ طاقتور ہوتا چلا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس طرح خدا دشمنوں سے کمزوروں کو بھڑاتا

ہے، توفیق دیتا ہے۔

اور حق جو ہے اس کے دو پہلو ہیں ایک خدا کا نور ہونا۔ خدا کا نور ہونے کے نتیجے میں ہی اعضاءِ بدن میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور امت مسلمہ کے اعضاءِ بدن وہ صحابہؓ تھے جو آنحضرت ﷺ کے اردگرد تھے ان میں جس حق نے سرایت کر کے پاک تبدیلیاں پیدا فرمائیں اور انہیں عظیم طاقتور قوم میں تبدیل کیا اس تبدیلی کی روح محمد مصطفیٰ ﷺ رہے تھے اور آپؐ ہی تھے جو حق کے نمائندہ بن کر ان کو حق میں تبدیل کر رہے تھے۔ پس جدوجہد کے بغیر تو غلبہ ہو ہی نہیں سکتا لیکن قانون یہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے کہ کمزور پہلے سے بڑھ کر طاقتور ہوتا چلا جاتا ہے اور کمزور ہونے کے باوجود جب بھی خدا اسے غیر سے بھڑاتا ہے اس کو فتح عطا فرماتا ہے۔ اپنے مقاصد میں وہ جیتتا ہے اور غیر ہار جاتے ہیں۔ اب انہوں نے پوری کوشش کی تھی پاکستان میں تمام قسم کے قوانین جو سوچے جا سکتے تھے۔ احمدیت کی راہ روکنے کے لئے وہ بنا دیئے۔ ہر قسم کی سزائیں جو پیغام حق پہنچانے کے نتیجے میں احمدیوں کو مل سکتی تھیں وہ دے دی گئیں۔ سب رستے روک دیئے گئے۔ لٹریچر کی اشاعت بند ہو گئی۔ مگر یہ جو مضمون ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ یہ کمزوری میں بھی جلوہ گر ہوتا ہے اور باطل کی کوششوں کو خدا ناکام بنا کر دکھا دیتا ہے۔

پس آپ دیکھ لیں کوئی ایک ایسا سال نہیں ہوا جس میں نعوذ باللہ من ذالک احمدی مرتدوں کی تعداد ان غیروں میں سے احمدی بننے والوں سے بڑھ گئی ہو۔ بہت نمایاں فرق رہا ہے۔ ہمیشہ پھر جو مرتد ہوئے وہ تمام تر وہ ہیں ان سب کی تاریخ ہمارے پاس ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ جو پہلے ہی نام کے احمدی تھے اور کردار کے گندے تھے، کئی قسم کی خرابیاں، کئی قسم کے فساد تھے نہ مسجدوں میں آنے والے، نہ نمازوں کا شوق رکھنے والے، نہ چندوں کی قربانیوں میں آگے آنے والے ایک قسم کی جوٹھ تھی جو ساتھ لگی ہوئی تھی اور اللہ نے ان کو جو کامیابی دی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سے باطل کو الگ کر کے اس باطل میں ملا دیا ہے۔ یہ کیا کامیابی ہوئی ان کے لئے، میرا مطلب ہے ان کی کامیابی بھی ہماری ہی کامیابی بنتی ہے۔ اگر ہم میں سے اچھے لوگ وہ کھینچ لیتے جن سے وہ امیدیں لگائے بیٹھے تھے کہ بہت اچھے لوگ ہیں جن پر سوسائٹی کی نظر تھی کہ ہاں یہ احمدی تو ہیں مگر ہیں بہت شریف، ایک ہی نقص ہے کہ احمدی ہیں، ان میں سے کتنے انہوں نے لیے، ایک بھی نہیں لیا۔ تو یہ جو باطل کے مقابل پر حق

کی کامیابی کا مضمون ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی جگہ تمہاری مسجدیں نہیں برباد ہوں گی، کسی جگہ تمہیں جانی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کسی جگہ سے تمہیں ہجرت نہیں کرنی پڑے گی کیونکہ یہ سارے واقعات انبیاءؑ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اگر باطل کے بھاگنے کا یہ مطلب ہو تو پھر نعوذ باللہ من ذالک سارے انبیاءؑ کو بھاگا ہوا شمار کرنا پڑے گا۔ اگر انبیاءؑ کی ہجرت زَهَقَ الْبَاطِلُ کے معنوں میں لی جائے نعوذ باللہ من ذالک تو پھر سارے انبیاءؑ باطل بنتے ہیں۔ مگر قرآن کریم جب حق اور باطل کے مقابلے کی تفصیل بیان فرماتا ہے تو ایسے منطقی طور پر درجہ بدرجہ اس مضمون کو آگے بڑھاتا ہے کہ اس کے ہر پہلو پر، ہر قدم پر دیکھنے والے کو حق کی فتح اور باطل کا زیاں دکھائی دے گا۔ اس کا بھاگنا ہر میدان سے ثابت ہوتا چلا جاتا ہے۔

وہ جو مقابلہ ہے وہ کیوں ہے؟ سوال تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باطل جہاد شروع کر دیتا ہے۔ کسی طریقے سے حق کو مٹا ڈالے اور کچھ اس کا باقی نہ چھوڑے۔ یہ جہاد کیوں ہوتا ہے؟ یہ دراصل شکست کا اعتراف ہے باطل کے جہاد کا آغاز ہی اعترافِ شکست سے ہے کیونکہ اگر باطل کو یہ خوف ہو کہ بدیاں نہ پھیل جائیں گندگی نہ ہو جائے سوسائٹی گندی نہ ہو جائے۔ جھوٹ، فسق و فجور معاشرے پر قبضہ نہ کر لے تو وہ تو پہلے سے ہی ہے۔ وہ تھا تو خدا نے نبی بھیجے اور اس کے خلاف معاشرے نے کبھی کوئی ردعمل نہیں دکھایا۔ اس کو قبول کئے بیٹھا ہے۔ تو صاف پتا چلا کہ بدیوں سے اور باطل سے اس معاشرے کی جس میں خدا کی طرف سے اس کے پیغمبر آتے ہیں کوئی لڑائی نہیں ہوتی، آرام سے بیٹھے رہتے ہیں، لڑائی اس سے ہوتی ہے جو آپ کی اقدار پر حملہ کرتا ہے ان اقدار کو مٹاتا ہے اور خدا کی طرف سے آنے والا بدیوں پر حملہ کرتا ہے اور نیکیوں کو پھیلانے کی کوشش کرتا ہے اچانک باطل اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے مقابل پر جدوجہد شروع کر دیتا ہے۔ یہ اعتراف ہے کہ ہم بدیوں کے نمائندہ ہیں، ہم بدیوں کے علم بردار ہیں اور نیکی کو برداشت نہیں کر سکتے اور یہ بھی اعتراف ہے کہ یہ نیکی غالب آنے والی نیکی ہے ورنہ ان میں ہر قسم کے پاگل، ہر قسم کی بڑھیں مارنے والے تحریکیں شروع کرتے ہیں ان کی مخالفت نہیں ہوتی۔

اب اس مضمون کو حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے سمجھیں تو کتنا کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ اپنے وقت میں حق کے نمائندہ تھے۔ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ کا مضمون آپؑ پر بھی صادق آتا تھا اور آنا چاہئے تھا اگر نہیں آیا تو نعوذ باللہ من ذالک خدا تعالیٰ کا یہ دائمی اعلان غلط نکلتا ہے یہ ناممکن ہے کہ خدا کا کلام غلط نکلے، پس کیسے ہوا وہ مقابلہ، حق کیسے غالب آیا؟ سب سے پہلے حق کے غالب آنے کی نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس انتہائی جاہلانہ اور ظالمانہ مخالفت میں ملتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں یہ مضمون خوب کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت ہوئی ہے اس سے پہلے یہود میں ہر قسم کی بدیاں پھیل چکی تھیں ہر قسم کا فسق و فجور جاری تھا اور ان کو کوئی ہوش نہیں تھی، کوئی پرواہ نہیں تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کے مقابلہ کے لئے جو وہ ایک دم اٹھے ہیں اس کی وجہ سمجھ نہیں آتی کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام یہ تھا کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دیا کرو۔ کوئی اگر تم سے جُبّہ مانگے تو قمیص بھی اتار کر دے دو۔ عجیب سا پیغام تھا اور اس پیغام میں کوئی بھی غصہ دلانے والی بات تھی ہی نہیں۔ اگر یہ پیغام عام ہو جاتا تو یہودیوں کو کیا تکلیف تھی۔ قمیص مانگتے جبے بھی ساتھ مل جاتے، جبے مانگتے تو قمیص بھی ساتھ مل جاتیں۔ ایک عیسائی بے چارے کو ایک تھپڑ مارتے کہتا لو دوسرا بھی گال حاضر ہے، تھپڑ مار لو۔ اس کے باوجود وہ مشتعل ہو گئے۔ اس کے باوجود وہ ایک ہو گئے باوجود اس کے کہ ان کے دل پھٹے ہوئے تھے، صدیوں سے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے لیکن حضرت مسیحؑ کی مخالفت میں ایک ہو گئے کیونکہ ان کے دل گواہ بن گئے تھے کہ یہ پیغام غالب آنے والا پیغام ہے۔ اگر حق نہ ہوتا اور ان کے دلوں کو یقین نہ ہوتا کہ یہ حق ہے تو کبھی اس قسم کی جاہلانہ مخالفت نہ کرتے اور ہر نبی کے حق ہونے کے ثبوت میں اسی قسم کی مخالفت ہمیشہ اس کے حق میں ایک روشن نشان بن کر ابھرا کرتی ہے۔ تمام انبیاء کی یہ مشترک کہانی کہہ لیں یا ایک ایسی تقدیر ہے ان کی جو سب انبیاء کے حق میں خدا کی طرف سے برابر جاری ہوئی ہے کہ ان کے پیغام میں حقیقت میں کوئی غصہ دلانے والی بات ہو نہیں سکتی، نہ تھی اور آپس میں لڑتے ہوئے ان کی مخالفت میں ایک دم اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ہاں ہم لڑا کرتے تھے، جانتے ہیں، ہم ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے وہ سارے ایک دوسرے کو کافر کہا کرتے کرتے تھے جو 72 فرقے یہود کے تھے اور ہم ایک دوسرے کی جان کے بھی دشمن تھے مگر اب تو دیکھو ہم سب اکٹھے ہو گئے ہیں اور تمہیں مٹانے کے در پے

ہیں، تمہیں مٹانے کی خاطر اکٹھے ہوئے۔ بعینہ جیسے 1974ء کا واقعہ ہوا ہے۔ اسی طرح یہود کی ایک مجلس بیٹھی اس میں تمام فرقوں کی نمائندگی ہوئی اور انہوں نے مل کر یہ کہا کہ ہم سارے اکٹھے ہو کر عیسائیت کو دائرہ یہودیت سے خارج کرتے ہیں۔ آج سے ان کا یہودیت سے اور موسیٰؑ کے مذہب سے کوئی بھی تعلق باقی نہیں رہا۔ یہ واقعہ تاریخی واقعہ ہے جس کو ساری دنیا کے مؤرخین تسلیم کرتے ہیں۔ یہ واقعہ کیوں وہاں پیش آیا جبکہ عیسائیوں بے چاروں کی تو حالت یہ تھی کہ ماریں کھاتے براحال ان کا جو دعوے دار تھا مسیحیت کا اس کو صلیب پر لٹکا دیا گیا اور پھر ان لوگوں کو کچھ پتا نہیں رہا کہ واقعہ کیا ہوا۔ یہ الگ بحث ہے اور کمزوری کا یہ عالم تھا اور درویشانہ جاتے تھے اور قتل ہوتے تھے لوٹے جاتے تھے ان سے ڈر کیا تھا ان کو ایک ہی ڈر تھا کہ جَآءَ الْحَقُّ حق آچکا ہے۔ دل گواہ تھے کہ زَهَقَ الْبَاطِلُ باطل نے بھاگنا ہی بھاگنا ہے۔ یہ خوف تھا جب دوبارہ دامن گیر ہوا دوسرے مسیح کے وقت تو بعینہ وہی حرکتیں شروع ہوگئیں اور وہ جو اعلان تھا کہ ہم ان کو مٹا کے چھوڑیں گے صرف یہ نہیں ہوا۔ 72 فرقے اکٹھے ہوگئے ان کی بھی ایک کونسل بلائی گئی اور 1974ء کا سال ہے کہ انہوں نے یہ اعلان کئے کہ ٹھیک ہے ہم لڑا کرتے تھے ٹھیک ہے شیعہ سنی کو برداشت نہیں کرتے تھے سنی شیعہ کو نہیں برداشت کرتے تھے وہابی اہل سنت کو مشرک کہا کرتے تھے اہل سنت وہابیوں کو گستاخِ رسول کہتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن ہم سارے ایک فرقے کے خلاف کبھی اکٹھے نہیں ہوئے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے اور 1974ء میں اس کا ذکر کیا گیا جو میں بات بیان کر رہا ہوں۔ اس کا بار بار 1974ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو یہ بات جتلائی گئی کہ دیکھو تم یہ نہ کہو کہ ہم بھی لڑتے ہیں ہم بھی مخالف تھے تمام تاریخ اسلام میں ایک دفعہ ثابت کر کے دکھاؤ کہ 72 فرقے اکٹھے ہوگئے ہم نے کہا الحمدللہ اسی تاریخ کے حوالے کی ضرورت تھی۔ بعد میں ہم کہیں گے تو تم نہیں مانو گے اور یہی تمہارے منہ سے کہلوانا چاہتے تھے کہ آج پہلی دفعہ یہ واقعہ ہوا ہے کہ 72 ایک ہوگئے ہیں اور ایک کو نکال کے باہر کیا گیا ہے لیکن ڈر کیا تھا وہ کہتے ہیں لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ (الشعراء: 55) یہ بھٹو صاحب کا اعلان تھا یہ تو چھوٹے سے ذلیل لوگ ہیں یہ ہمیں غصہ دلاتے ہیں۔ اگر ہمیں غصہ نہ دلاتے تو ہمیں اتنا سخت Measure ان کے خلاف نہ لینا پڑتا، اتنا بڑا اقدام نہ کرنا پڑتا۔ بعینہ یہی بات ضیاء الحق نے کہی کہ ہم کیا کریں۔ وہاں تو نہیں لوگوں کو یہ کہتے تھے مگر جب غیر قوموں میں ان کو لکھتی تھیں کہ تمہارا دماغ پھر

گیا ہے، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ایک طرف کہتے ہو چھوٹی سی جماعت ہے تیس لاکھ تو در کنار ایک لاکھ بھی نہیں ہے۔ یہ آفیشل ان کی اطلاعیں تھیں جو غیر قوموں کو دے رہے تھے، اب تیس لاکھ پر تو ہمیں کوئی اصرار نہیں، تین لاکھ بھی ہوں اس سے کوئی بحث نہیں۔ جتنے تھوڑے تھے اتنا ہی ثبوت ہے کہ یہ ہمیں حق سمجھ رہے ہیں، جتنے تھوڑے تھے اتنا ہی زیادہ ان کا خوف ان کو ملزم کر رہا تھا۔تو جب یہ سوال کیا گیا یہ تھوڑے سے ہیں تمہیں کیا تکلیف ہے۔تو انہوں نے کہا ہمیں غصہ دلاتے ہیں، بڑی مصیبت ہے۔ چھوٹے سے ہیں، تھوڑے سے، حیثیت ہی کوئی نہیں۔ وہ غصہ دلانے میں بڑا شیر ہے۔غصہ دلاتے کیسے ہیں۔ کہتے ہیں وہ غالب آجائیں گے اور آرہے ہیں، یہ بات تھی جو تکلیف دیتی تھی۔ تھوڑے ہیں، کمزور ہیں، حیثیت نہیں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں لیکن غالب آنے کے ذریعہ غصہ دلاتے ہیں۔سارا زور اس بات پر تھا کہ جب بھی ہم ان سے ٹکرائے ہیں یہ بڑھے ہیں اور ہم کم ہوئے ہیں۔تمام نفسیات ملاں کی اسی ایک مرکزی نقطے کے گرد گھومتی ہے۔ ہر دفعہ اس نے کوشش کی کہ کسی طرح کا حق کا بڑھنا اور باطل کا بھاگنا یہ جو تقدیر ہے اس کو الٹ کے رکھ دیں۔ کسی طرح کوئی ایسا ذریعہ اختیار کریں کہ حق کا آگے بڑھنا بند ہو جائے اور باطل کا پیچھے ہٹنا رک جائے لیکن ہر تدبیر الٹی پڑتی ہے۔

یہاں تک کہ 1974ء آ گیا۔ یہ اعلان کر دیا گیا کہ احمدی سارے غیر مسلم ہیں ۔ ہم 72 ایک طرف، یہ ایک طرف۔

تو میں جو سمجھتا رہا ہوں کہ قرآن کریم کی آیت کی صداقت کا نشان یہ ہے کہ بظاہر کمزوری میں بھی ایک ایسا حق کی عظمت کا نشان ہے کہ یقیناً کہا جا سکتا ہے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا کیونکہ یہ بھاگنے کے پیش خیمے ہی تو ہیں ۔ یہ پیش بندیاں کرنا یہ قانونی طور پر روکیں کھڑی کرنا، یہ مخالفتوں کی دیواریں کھڑی کرنا ظلم تعدی اور استبداد کے ذریعہ ایک بڑھتی نشوونما ہوتی ہوئی قوم کو کچل کے رکھ دینے کی کوشش کرنا، پاؤں تلے روندنے کی کوشش کرنا کس بات کا خوف ہے؟ ہر دل گواہ تھا آج بھی ہے۔ یہ تمام مولوی جانتے ہیں کہ اگر حکومت کے ہمیں سہارے حاصل نہ ہوں اگر ہمیں جھوٹ کے سہارے حاصل نہ ہوں اگر ہم عوام کو ان کے خلاف مشتعل نہ کریں تو کل کی بجائے یہ آج ہمیں کھا جائیں گے تو قرآن کریم دیکھو کیسا سچا ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا باطل کے مقدر میں تو بھاگنا ہی بھاگنا ہے۔ اور یہ گواہی اس جدو جہد کا آغاز کرتی ہے۔ جس کے متعلق قرآن کریم ہمیں متنبہ کرتا ہے پہلے دن سے ہی تمہارے غلبے کے آثار دیکھ لیں گے اور پہچان لیں گے۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ ایک ہوں گے اس وقت بھی ان کو غالب سمجھا جائے گا۔ وہ جانتے ہوں گے کہ یہ ایک ہے جو تمام دنیا پر بھاری اترے گا اس لئے اس ایک کو مٹانے کے درپے ہو جائیں گے اور ان کی آنکھوں کے سامنے وہ ایک ایک بڑھتا چلا جائے گا۔ پس ایک ہی بات دشمن کی سچی نکلی اور ہمیشہ سچی نکلتی ہے کہ حق دوسروں کے پاس ہے حق محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے غلاموں کے پاس ہے۔ حق انبیاء کے پاس ہے اور وہ حق سے عاری ہیں۔ یہ جو دل کی آواز ہے دل کی پہچان ہے یہ ہمیشہ سچی رہی ہے اور ہمیشہ سچی رہے گی۔

مگر اس کے ساتھ ایک اور مضمون وابستہ ہے کہ حق تب تک رہو گے جب حق سے تعلق ہوگا۔ جہاں حق سے تعلق ٹوٹا وہاں حق کے متعلق خدا کی یہ گواہی تمہارے حق میں صادق آنا بند کر دے گی کہ حق آئے گا اور باطل بھاگ جائے گا۔ پس جہاں حق سے تعلق میں کمزوری ہے وہاں غلبے کے مضمون میں بھی اسی حد تک کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر معاشرے ایسے ہوں کہ لوگ دنیا دار ہو چکے ہوں اگر مادہ پرستی غالب آ گئی ہو تو اچانک زندگی کے فقدان کے آثار ظاہر نہیں ہوا کرتے لوگ سانس لیتے ہیں اور لیتے چلے جاتے ہیں، ظاہری تقاضے زندگی کے بھی پورے کرتے ہیں۔ دیکھنے میں اچھے بھلے چلتے ہیں، زندہ انسان دکھائی دیتے ہیں مگر بنیادی طور پر ان کا حق سے تعلق اس حد تک کمزور ضرور پڑ چکا ہوتا ہے کہ ان کے حق میں خدا کی یہ گواہی پوری نہیں ہوتی کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔

پس دعوت الی اللہ کا راز اس میں ہے کہ تم اپنا تعلق حق سے جوڑ لو اور ایسا گہرا پیوند کرو کہ تم پر حملہ حق پر حملہ ہو۔ کوئی تمہیں ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے تو گویا وہ خدا کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ تمہارے مقابلے کے لئے اُٹھے تو خدا سے مقابلہ کرنے کے لئے اُٹھا ہو۔ یہی اعلان ہے جو بڑی تحدی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار فرمایا۔

اے آں کہ سوئے من بدویدی بصد تبر
از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم (درثمین فارسی:106)

تم کیا سمجھتے ہو ایک کمزور شاخ مجھے بنا رکھا ہے تم نے۔ شاخ میں کمزور ہوں مجھ میں دفاع کی طاقت نہیں ہے ٹھیک ہے۔ لیکن ''از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم'' باغباں سے ڈرو کہ میں پھلدار شاخ ہوں اور پھلدار شاخ کی حفاظت کرنا باغبان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ پس جہاں آپ پھل دار شاخ بنیں گے وہاں اللہ لازماً آپ کی تائید کے لئے کھڑا ہوگا وہاں لازماً دشمن کی ہر کوشش آپ کے مقابل پر ناکام بنا دے گا مگر حق سے تعلق قائم ہوگا تو یہ باتیں ہوں گی۔

اس سلسلے میں قرآن کریم نے جہاں جہاں مختلف پہلو بیان فرمائے ہیں بعض دفعہ آیات کے حوالے سے میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ پہلی بات تو میں نے بیان کر دی کہ ٹکراتا ضرور ہے اللہ تعالیٰ اور اس سے ٹکرا دیتا ہے جو بظاہر طاقتور ہوتے ہوئے بھی طاقتور نہیں ہوتے اور جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کا ثبوت یہ پیش کرتا ہے کہ کمزور طاقتور کو کھاتا چلا جاتا ہے۔ وہ اس پر غالب آتا چلا جاتا ہے دوسری جگہ فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۱﴾
فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ
بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۳﴾ (یونس 81 تا 83)

کہ جب وہ موسیٰ کے سامنے آئے تو موسیٰ نے کہا۔ جو کچھ تم نے ڈالنا ہے ڈال دو، جو کچھ تمہارے پاس ہے نکال پھینکو۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ جب انہوں نے نکال پھینکا تو موسیٰ نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور یہاں جادو کا معنی جھوٹ، فریب، فساد ہے ایسی چیز جو نظر کو دھوکہ دینے والی ہو لیکن حقیقت میں اس بات کی ماہیت اور ہے۔ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ اور مجرم لوگ خواہ ناپسند کریں اللہ اپنے کلمات کے ذریعے حق کو متحق کر دیا کرتا ہے اور ثابت کر کے دکھا دیتا ہے۔

اب وہاں دیکھیں کیا واقعہ ہوا ہے جو سحر تھا اس کی حقیقت یہ تھی کہ جو رسیاں جادوگروں کی طرف پھینکی گئیں وہ سانپ نہیں بنی تھیں۔ وہ سانپ دکھائی دینے لگیں تھیں اور موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اس عصا کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے غالب قانون نے جو انسانی نفس پر غالب ہے اس خوف کو دور

کر دیا اچانک اور اس جادو کا اثر جاتا رہا۔ انہوں نے دیکھا تو رسیاں ہی رسیاں تھیں سانپ تھا ہی کوئی نہیں تو حق سے اگر تعلق پیدا ہو تو ایک حوصلہ اور جرأت پیدا ہوتی ہے اور دشمن کی بھبکیوں کو آپ کھوکھلا اور بے معنی اور بے حقیقت دیکھتے ہیں۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کو بار بار کہنا پڑتا ہے لَا تَخَفْ (ھود: 71) ڈرنا نہیں۔ باتیں ایسی تھیں جو ڈرانے والی تھیں۔ اپنے ہاتھ کا سوٹا بھی عصا بن کے ابھرتا ہے۔ دوسرے دشمن جو رسیاں پھینکتا ہے وہ سانپ دکھائی دینے لگتے ہیں تو بے چارے ڈرتے کیوں نہ۔ ان کا ڈرنا ان کی سچائی سے تعلق رکھتا ہے۔ صاف دل، پاک انبیاء ہوتے ہیں وہ دشمن کے فریب کو بطور فریب نہیں سمجھتے شروع میں۔ جو دیکھا اپنی سچائی کی وجہ سے کہتے ہیں ایسا ہی ہوا ہوگا۔ جو سانپ دیکھا وہ سانپ دکھائی دیا، یہ دل کی صداقت ہے اصل میں۔ اللہ جانتا تھا اس حقیقت کو۔ اس نے کہا کہ ڈرو نہیں۔ دیکھو تو سہی اپنا عصا تو پھینکو پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ جب عصا پھینکا گیا تو رسیاں رسیاں دکھائی دینے لگیں۔

تو اگر دشمن سے جب ٹکر ہوتی ہے تو اس کی بھبکیوں سے آپ مرعوب ہو جاتے ہیں اور وہ کہتا ہے میں یہ کر دوں گا اور میں وہ کر دوں گا اور آپ سمجھتے ہیں او ہو یہ تو بڑی غلطی ہوگئی۔ پیچھے ہٹنے لگتے ہیں اور بزدلی دکھا جاتے ہیں۔ تو پھر آپ کامیاب مبلغ نہیں بن سکتے۔ کامیاب مبلغ بننے کیلئے حکمت تو ہے لیکن بزدلی نہیں۔ جہاں تک حکمت کا تعلق ہے ہر نبی کو حکمت عطا ہوتی ہے۔ اس لئے حکمت سے عاری ہو کر کوئی تبلیغ نہیں ہو سکتی کیونکہ تبلیغ کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (النحل: 126) کی شرط لگاتا ہے حکمت سے کرو لیکن خوف کی کہیں کوئی شرط نہیں کہ ڈرتے ڈرتے کرنا، خوف کو دور فرماتا ہے کہتا ہے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ: 40) دیکھو خوف کس زور کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کے سر پر ابھرا تھا آپ نیچے غار میں تھے۔ اوپر خوف آیا اور اس طاقت کے ساتھ آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کمزور کا ساتھ حضرت محمد ﷺ کو کسی پہلو بھی بچا نہیں سکتا تھا اور بچانا انہوں نے کیا تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کہہ رہے ہیں لَا تَحْزَنْ تو غم نہ کھا، تو ڈر نہیں فکر نہ کر کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ ہے حق کا ساتھ۔ کوئی خوف بھی انسان پر غالب نہیں آسکتا اگر حق حقیقت میں ساتھ ہو لیکن حکمت سے کام لیا ہے شور نہیں مچایا یہ نہیں کہا کہ حق میرے ساتھ ہے آجاؤ جو کرنا ہے کر لو میرا، جو لوگ یہ باتیں

کرتے ہیں اور دشمن کو غصہ دلاتے ہیں ان کو اگر ضرر پہنچتا ہے تو حکمت کی کمی کی وجہ سے پہنچتا ہے۔ پس حق کیسے کام کرتا ہے حکمت اور تدبیر سے عاری ہو کر نہیں لیکن حکمت کے باوجود جب دکھائی دینے لگتا ہے کہ اب دفاع کا کوئی چارہ نہیں رہا، اس وقت پھر وہ مرعوب نہیں ہوتا بلکہ جرأت سے سر بلند ہو کر یہ اعلان کرتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ اعلان حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے بھی کیا ایک طرف دوڑ رہے ہیں فرعون پیچھے لگا ہوا ہے اور بھاگتے چلے جارہے ہیں اور کہتے ہیں ڈرو نہیں، گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے بظاہر تو یہ بھاگتے ہوئے کی آواز میں کیا جان ہوئی اگر وہ کہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے مگر اس وقت ان سے بچ جانا ہی غیر معمولی ایمان کو چاہتا تھا۔ بچ جانے پر اعتماد غیر معمولی ایمان کو چاہتا تھا اور دیکھتے دیکھتے اللہ نے ثابت کر دیا کہ یہ کوئی کمزور بھگوڑے نہیں ہیں جو تعلّی کر رہے ہیں کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ موسیٰ نے خدا کا ساتھ دیکھا تھا تو کہا تھا اور اس کے ساتھ دشمن نے بھی دیکھ لیا، فرعون پر بھی ظاہر ہوا اور اس کی قوم پر بھی ظاہر ہوا۔ تمام تاریخ نے اس واقعہ کو لکھ لیا کہ ایک کمزور خدا کا بندہ موسیٰ ایک طاقتور فرعون پر غالب آ گیا اور اس کے لشکر ڈوب گئے۔ پس یہ وہ حق کا ساتھ ہے جو حقیقی ہو تو کام کرتا ہے ورنہ سحر کام نہیں کیا کرتا۔

اگر حق کا ساتھ حقیقی نہ ہو، اگر آپ کو پورا یقین نہ ہو کہ آپ اللہ کے ساتھ ہیں اور اللہ آپ کے ساتھ ہے اگر حق کی وہ علامتیں آپ کے اندر ظاہر نہ ہوں جن کا میں بعد میں ذکر کروں گا اس وقت تک آپ دنیا کے سامنے ایک نڈر اور بے باک داعی الی اللہ کے طور پر نہیں ابھر سکتے اور آپ کی آواز میں اگر تعلّی ہو گی تو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ وہ سحر ہے جادو کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ زور کی آواز اسی وقت کام آتی ہے جب اس کے پیچھے ایک خدا کی طاقت بول رہی ہو اور جب خدا کی طاقت بولتی ہے تو کمزوروں اور نحیفوں کی آواز بھی دنیا کی سب سے طاقتور آواز بن کر ابھرا کرتی ہے۔ پس اس پہلو سے حق سے تعلق جوڑو تو دیکھو تو انشاء اللہ تمہاری تبلیغ میں کتنے عظیم الشان انقلابات برپا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین